خیر الجواب
فی
ایصال الثواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین کہ اخبار "المنیر" کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ مجریہ ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء کے صفحہ ۹ کالم نمبر ۳ میں بحوالہ الفقیہ مندرجہ ذیل حدیث سے جو فاتحہ علی الطعام اور سوئم مروج کے جواز پر استدلال پیش کیا گیا ہے۔ یہ استدلال صحیح ہے یا غلط؟ اور بقاعدۂ محدثین یہ حدیث معتبر ہے، یا غیر معتبر؟ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا -! اخبار "المنیر" کی عبارت بصورت سوال وجواب بلفظہا یہ ہے:-

سوال ۱:- کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا ثبوت حدیث وقرآن میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کس طرح ثبوت کریں؟

سوال ۲:- فاتحہ کی چیز کھانا جائز ہے یا ناجائز وحرام؟

جواب ۱:- کھانا یا شیرنی کو سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے۔ یہ مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے اور خاص کر رسول اللہ صلعم نے ایسا کیا ہے۔

جواب ۲:- بزرگوں کے فاتحہ کی چیز کھانا جائز و درست ہے اور مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے جوابات کے لئے مندرجہ ذیل حدیث شریف کافی ووافی ہے۔

وفی فتاوی الاوزجندی ملا علی قاری الحنفی و کان یوم الثالث من وفات ابراھیم ابن محمد صلی اللہ

علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ جو اکابر علمائے احناف میں ممتاز شخصیت کے رکھنے والے گذرے ہیں وہ اپنے فتاویٰ اوزجندی میں مذکورہ حدیث

علیہ وسلم جاء ابو ذر عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بتمرۃ یابستہ و لبن فیہ
خبز من شعیر فوضعہا
عند النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقرء رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحہ
وسورۃ الاخلاص ثلاث
مرات (الی ان قال)
رفع یدیہ للدعاء ومسح
بوجہہ فامر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اباذر ان
یقسمہا بین الناس و
ایضا قال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وہبت
ثواب ھذہ لابنی
ابراھیم!

کو نقل فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صاحبزادے حضرت ابراہیم کے انتقال
کا تیسرا روز تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ
عنہ حضور کے پاس خشک خرما اور
ایک پیالہ میں دودھ، اور جو کی
روٹی لیکر آئے اور آپ کے سامنے
رکھ دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ
قُل ہُوَاللہ پڑھا۔ اس کے بعد دونوں
دست مبارک کو دعا کے لئے اٹھایا
اور چہرہ مبارک پہ پھیرا۔ اس کے بعد
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا
کہ اس فاتحہ کی چیز کو لوگوں کے درمیان
تقسیم کر دیں۔ اور آپ نے فاتحہ کے
وقت میں یہ بھی فرمایا کہ اس کا ثواب
میں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا!

اس حدیث شریف سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

(۱) خود حضور کے فعل سے فاتحہ کا ثبوت۔

۲- سامنے رکھ کر فاتحہ دینا۔
۳- سوم کے روز فاتحہ دینا اور ایصالِ ثواب کرنا۔
۴- قرآن شریف کی بعض سورۃ کا کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا۔
۵- سورۃ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا۔
۶- دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنا۔
۷- بخشنے کا طریقہ۔
۸- حاضرین کے درمیان فاتحہ کی چیز کو تقسیم کرنا - وغیر ذالک -
اس حدیث کو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اپنی کتاب ہدیۃ الحرمین کے تیرھویں باب صفحہ ۶۸، ۶۹ میں لایا ہے۔ (الفقیہ)

المستفتی

(داروغہ) ولی احمد پنشنر (محلہ راستہ جالندھر)

الجواب وباللہ التوفیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

اما بعد: بطور تمہید دو مقدمہ کے بعد پہلے اجمالی پھر تفصیلی جواب عرض کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ برادران اسلام کو ضد و تعصب سے بچا کر بلا خوف لومۃ لائم اتباع سنت کی عنایت فرما دے۔ آمین

پہلا مقدمہ عبادت مالی سے میت کو ایصال ثواب باتفاق ائمہ

مجتہدین درست ہے۔ احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ اِسی طرح تلاوتِ قرآن مجید سے بھی ایصالِ ثواب ہمارے امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز و درست ہے۔

فَذَهَبَ أَبُوْحَنِيْفَةُ وَأَحْمَدُ إِلَى وُصُوْلِ ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلَى الْمَيِّتِ ؛ (عینی شرح بخاری ج ۱ ص ۸۶۵)	امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔

مگر کھانا سامنے رکھ کر تلاوتِ قرآن کے ثواب کا عملاً التزام کرنا اور ایصالِ ثواب کے لئے سوئم اور چہلم وغیرہ ایام کو مخصوص کر لینا، یہ رسم حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اس مقدس زمانہ میں اس کا نام ونشان نہ تھا اس لئے اس کو ترک کرکے بہتر یہ ہے کہ حسبِ موقع بلا کرے تلاوتِ قرآن سے خود بخود اپنے اعزہ و اقارب یا بزرگانِ دین کی ارواح کو ایصالِ ثواب کر دیا جایا کرے۔ اور حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کی نیت سے غرباء و مساکین کی امداد مالی بھی کر دی جایا کرے۔ کسی پر ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ معاملہ جہانتک اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان مخصوص رہے تو اعلیٰ درجہ اخلاص کی بدولت مزید ثواب کی توقع ہے۔

مجموعۃ الفتاویٰ جلد سوئم صفحہ ۶۸ میں علامہ عبدالحی لکھنوی ختم مروجہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ایں طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود

ونہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آں در قرون ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نشدہ ست ! "

اور اسی صفحہ میں سوئم وغیرہ کی نسبت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کا قول، شرح سفرالسعادت سے نقل فرماتے ہیں :۔

" و شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی در شرح سفرالسعادت میفرمائند وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں وایں مجموعہ بدعت است و مکروہ نعم تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن سنت و مستحب است اما ایں اجتماع مخصوص روز سوئم وارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام ۔ انتہیٰ ۔!"

دوسرا مقدمہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے :۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ ! (سورہ حجرات پارہ ۲۶)	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تم کو بات بتلا دے تو خوب تحقیق کر لو۔ !
وَأَشْهِدُواْ ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ ! (سورہ طلاق پارہ ۲۸)	اور اپنے میں سے دو عادلوں (دینداروں) کو گواہ بناؤ۔ !

شفیع المذنبین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَکْذِبُوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّکْذِبْ عَلَیَّ یَلِجِ النَّارَ ۔!
(صحیح مسلم ص۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم مجھ پر جھوٹ مت بولو اس لئے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔!

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ ۔!
(صحیح مسلم ص۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کا (بلاتحقیق) ہر سنی سنائی بات بیان کر دینا (یا شائع کر دینا) اس کے جھوٹا ہونے کی کافی دلیل ہے

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قَالَ اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ ۔!
(صحیح مسلم ص۱۱)

علم حدیث دین ہے لہٰذا غور کیا کرو کہ کس قسم کے لوگوں سے اپنا دین حاصل کیا کرتے ہو۔!

عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ لَمْ یَکُوْنُوْا یَسْئَلُوْنَ عَنِ الْاِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَۃُ قَالُوْا سَمُّوْا لَنَا رِجَالَکُمْ فَیُنْظَرُ اِلٰی اَھْلِ السُّنَّۃِ فَیُؤْخَذُ حَدِیْثُھُمْ وَیُنْظَرُ اِلٰی اَھْلِ الْبِدَعِ

حضرت محمد بن سیرین تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ حدیث کی سند دریافت نہیں کیا کرتے تھے پھر جب (جھوٹ کا) فتنہ برپا ہوا تو حضرات صحابہ کرامؓ فرمانے لگے کہ راویوں کے نام بیان کرو، تاکہ غور کرکے دیکھا جائے، کہ راوی

فَلَا یُؤْخَذُ حَدِیْثُھُمْ - ! (صحیح مسلم ص۱۱) | اہل السنۃ والجماعۃ ہیں - یا بدعتی ؟ --- کیونکہ اہلسنت

والجماعۃ راوی کی حدیث کو صحابہؓ کے نزدیک معتبر و قابلِ عمل سمجھا جاتا تھا اور بدعتی راوی کی حدیث کو غیر معتبر و واجب الترک --- :

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے امورِ ذیل مستفاد ہوئے۔

۱:- حدیث پر عمل کرنے سے قبل یہ جانچنا چاہیئے کہ اس کی سند کیا ہے اور اس کے راوی کیسے ہیں۔

۲:- حدیث وہی معتبر ہے جس کی سند میں راوی عادل (دیندار) ہوں - جیسے شریعت میں شہادت وہی معتبر ہے جس کے شاہد میں دیانت و عدالت ہو - !

۳:- فاسق آدمی (بے دین) کی کوئی حدیث یا خبر قابلِ اعتبار نہیں تاوقتیکہ اس کی پوری پوری تحقیق نہ کر لی جائے۔

۴:- بے تحقیق، حدیث کو محض سُنے سُنائے بلا سند بیان کرتے پھرنا یا شائع کرنا، یہ جھوٹے آدمی کی نشانی ہے۔

۵:- بلا سند کسی جھوٹی حدیث کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا سخت گناہِ کبیرہ، دخولِ جہنم کا باعث ہے۔

۶:- بدعتی آدمی کی حدیث قابلِ عمل و لائقِ اعتبار نہیں۔

اجمالی جواب

اس تمہید کے بعد اجمالاً جواب میں گذارش ہے کہ مستدل کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

"یہ مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے اور مذکورہ بالا دونوں سوالوں کے جوابات کے لئے مندرجہ حدیث شریف کافی ووافی ہے"

یہ ایک دعویٰ ہے کہ واقعہ مذکورہ حدیث شریف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی دعویٰ قابلِ سماعت نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کی صحیح دلیل نہ بیان کی جاوے۔ لہٰذا ہم باادب درخواست کرتے ہیں۔ کہ

۱:- وہ کتب حدیث جن میں حدیثیں باسند بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کس کتاب کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔ بحوالہ صفحہ وسطر اور بقید مطبع پیش کی جاوے۔

۲:- اور اس حدیث کی سند کیا ہے اس میں جتنے راوی ہوں سب کے نام ظاہر کئے جاویں اور اگر سب راویوں کے حالات کتب اسماء رجال سے درج کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی جاوے تو مزید احسان ہوگا۔

۳:- اگر آپ کو سند نہ مل سکے تو کم از کم بحوالہ کتب معتبرہ یہی ثابت کر دیا جائے کہ کس مشہور محدث نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۴:- اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہو تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایسی جھوٹی حدیث کے شائع کرنے کا گناہ کس پر ہوگا اور اس پر عمل کرنے والے کس پاداش کے مستحق ہونے چاہئیں۔!

تفصیلی جواب | اس اجمال کی تفصیل کئی جوابات کی صورت میں عرض کی جاسکتی ہے:-

جواب ۱:- فتاویٰ اوزجندی ملا علی قاری کی تصانیف میں کوئی

کتاب نہیں۔ یہ نسبت غلط ہے اگر ہے تو مطبوعہ پیش کیا جائے۔

جواب ۲: ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میت کے گھر میں تین یوم تک دعوت کا کھانا تیار کرنے اور اس کے کھانے کو مکروہ و ممنوع قرار دیتے ہیں۔

دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مؤلفہ ملا علی قاریؒ میں ہے

وَاصْطِنَاعُ اَهْلِ الْمَيِّتِ لَهُ لِاَجْلِ اِجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ بَلْ صَحَّ عَنْ جَرِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنَّا نَعُدُّهُ مِنَ النِّيَاحَةِ وَهُوَ ظَاهِرٌ فِي التَّحْرِيْمِ وَقَالَ الْغَزَالِيُّ وَيُكْرَهُ الْاَكْلُ مِنْهُ ۔ !

لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے اہل میت کا کھانا پکانا مکروہ ہے۔ بلکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہوا ہے کہ ہم ایسے کھانے کو نوحہ کے برابر شمار کیا کرتے تھے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کھانا حرام ہے اور امام غزالیؒ اس کا کھانا مکروہ فرماتے ہیں۔ !

اور ملا علی قاریؒ اپنی کتاب شرح نقایہ صفحہ ١٧٠ میں لکھتے ہیں۔

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهُ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي ضِدِّهٖ وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ !

اہل میت کے گھر میں ضیافت کا کھانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے، غمی میں نہیں ہوتی اور یہ ضیافت بدعت سیئہ ہے۔

ملا علی قاری صاحبؒ کے مذکورہ بالا اقوال سے بھی معلوم ہوا کہ ،
بحوالہ اوز جندی بدعات کے جواز کی نسبت ملا علی قاری صاحبؒ
کی طرف غلط ہے یا ان پر افتراء ہے ۔

جواب ۳ :۔ قطع نظر اوز جندی کے وجود و عدم کے صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جس واقعہ کی حدیث درج کی گئی ہے یہ موضوع (من گھڑت) ہے ۔کتب حدیث میں اس کا پتہ و نشان نہیں پایا جاتا ۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنی کتاب مجموعۃ الفتاوی جلد ۲ ص ۹۰ میں لکھتے ہیں :۔
" ایں کتاب اوز جندی از تصانیف ملا علی قاری است ونہ روایت
مذکورہ صحیح و معتبر ہست بلکہ موضوع و باطل ،پس اعتماد نشاید
درکتب حدیث نشانے از ہیچ روایات یافتہ نے شود ۔ "

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی ہدیۃ الحرمین میں بھی یہ
قصہ غلطی سے درج ہو گیا ہے ۔ ممکن ہے کسی اشاعت کنندہ کے ملحقات سے ہو۔
مولانا عبدالحی صاحبؒ مجموعۃ الفتاوی جلد ۲ ص ۹۰ میں لکھتے ہیں :۔
" یہ قصہ جو ہدیۃ الحرمین میں لکھا ہے محض غلط ۔کتب معتبرہ
میں اس کا نشان نہیں ۔ ! "

خلاصہ الغرض اخبار " المنیر " مذکور میں جو جواب درج کیا گیا ہے وہ غلط ہے اور جس حدیث کا دعویٰ کیا گیا ہے ، وہ موضوع ہے ۔ لہٰذا جو شخص اس غلط مضمون کا مؤید ہو ،اس پر مندرجہ

ذیل امور کا جواب معقول اور مہذب طریقہ سے دینا واجب ہے۔

۱:۔ فتاویٰ اوزجندی مطبوعہ کا وجود دکھلایا جاوے۔

۲:۔ علامہ ملا علی قاری صاحبؒ کی تصنیفات کی فہرست میں بحوالہ معتبرہ فتاویٰ اوزجندی کو دکھلایا جائے۔

۳:۔ یہ حدیث باسند حدیث کی کس معتبر کتاب میں ہے بحوالہ صفحہ وسطر و بتقیید مطبع پیش کی جاوے۔

۴:۔ اس حدیث کی سند میں جتنے راوی ہوں پورے پورے ظاہر کئے جاویں

۵:۔ ہر ہر راوی کے حالات کتب معتبرہ اسماء رجال سے بحوالہ کتب بیان کیے جائیں۔

۶:۔ اگر سند نہ مل سکے تو کم از کم اس سند کے صحیح ہونے کی تصدیق کسی مشہور محدث یا حضرت امام ابوحنیفہ یا صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے دکھلا دی جاوے۔ ــــہ

نگفتہ ندارد کسے با تو کار ؛ ولے چوں بگفتی دلیلش بیار

اگر معروضات مذکورہ کا صحیح جواب نہ ہو سکے تو جھوٹ، فریب، لالچ چھوڑ کر عملی اصلاح اختیار کر لینا اور اتباع سنت پر پابند ہو جانا دانائی اور سعادت مندی کی بات ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

کتبہ

بندہ خیر محمد حنفی چشتی مہتمم و مفتی مدرسہ عربی خیر المدارس

جالندھر شہر۔ ۲۷ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ